﴿ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾

(سورة الحدید : ۲۱)

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی
''اکابر علماء کرام''
کی نظر میں

ترتیب و تدوین

حافظ ناصر احمد و حافظ محمد عمر

معاونت

شجاع الدین شیخ و ایاز محمود

کتاب کا نام: ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی ''اکابر علماء کرام'' کی نظر میں

ترتیب وتدوین: حافظ ناصر احمد و حافظ محمد عمر

معاونت: شجاع الدین شیخ و ایاز محمود

طبعِ اوّل: نومبر 2006

Contact: 0334-3301787,021-2620496

Email :hafizain_nasirumer@yahoo.com

www.hamditabligh.net

پیش لفظ

﴿شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ط اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ﴾ (سورۃالشوریٰ : ۱۳)

’’اے مسلمانوں! ہم نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی وصیت کی تھی ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور جس کی وحی کی ہے (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو کہ اس دین کو قائم کرو اور دین کے معاملے میں پھوٹ نہ ڈالو۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء ورسل کو معاشرے میں انسانوں کی ہدایت کا راستہ بتانے اور عدل وانصاف پرمبنی نظام قائم کرنے کے لئے بھیجا اور یہی مقصدِ بعثت رسول اللہ ﷺ کا بھی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ لا وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ﴾ (سورۃ الصف :۹)

’’اس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے کامل ہدایت (قرآن) دے کر اور ایک عدل کا نظام دے کر تا کہ اسے کُل نظام زندگی پر غالب کر دیں خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناپسند ہو‘‘

اور یہی مقصد امت مسلمہ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ :

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾

(سورۃ البقرۃ :۱۴۳)

’’اور اسی طرح سے ہم نے تمہیں بنادیا ہے درمیانی (بہترین) امت تا کہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر‘‘

بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کہ :

’’دین وامت کی خدمت کے اتنے پہلو ہیں اور خدمت کیلئے گنجائش اتنی ہے کہ اگر نفسیات کو چھوڑ کر تھوڑے سے بھی عزم وحوصلہ کے ساتھ خدمت کا ارادہ ہو تو خلوص اور فہم سلیم سے کام لینے والا ہر فردِ امت اس کے اندر کھپ سکتا ہے اور باہمی مناقشہ سے جواب تک بڑا سنگِ راہ بنا ہوا ہے، نجات پا کر ہر گروہ اپنے مذاق واستعداد کے لحاظ سے سچا خادم دین بن سکتا ہے‘‘

اور اسلامی تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے بے شمار تحریکیں اور جماعتیں اٹھیں اور اس دین حق کے قافلے کو اپنی منزل کی جانب رواں دواں رکھا اور الحمدللہ آج بھی اس قافلے کو آگے بڑھانے اور اس کی حفاظت کے لئے بہت سی تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں اور انہی میں ایک ادنیٰ سی کوشش تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم سے بھی کی جا رہی ہے۔ جس کی بنیاد ڈاکٹر اسرار احمد نے 1975ء میں رکھی۔ الحمدللہ اس کام کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مختلف مکاتب فکر کی علماء کرام سرپرستی حاصل تھی اور ہے، لیکن کچھ اہل علم کی طرف سے یہ اعتراض ڈاکٹر صاحب کی ذات اور ان کی قائم کردہ تنظیم کے حوالے سے یہ رکھا جاتا ہے کہ، یہ کسی مدرسہ کے ’’فاضل‘‘ اور کسی اہل علم کے ’’فیض یافتہ‘‘ اور ان کو علماء کرام کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل نہیں ہے۔ یہ اعتراض درست نہیں جس کا اندازہ زیرنظر کتابچے سے ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی
''اکابر علماء کرام'' کی نظر میں

☆مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی نظر میں :۔

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) کا شمار برِّصغیر پاک و ہند میں ہوتا ہے بلکہ آپ کو عالمِ عرب میں بھی بہت زیادہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ''کلید بردار کعبۃ اللہ'' کے اعزاز سے بھی نوازا گیا۔ آپ ناظمِ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تھے۔ اس کے علاوہ رکنِ مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند، رکنِ مجلسِ شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منوّرہ بھی تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مارچ 1985 میں مرکزی انجمن خدّام القرآن کے زیرِ اہتمام ''سالانہ محاضراتِ قرآنی'' کے تحت ''قرآن کا تصوّرِ فرائضِ دینی'' پر اظہارِ خیال کے لئے پاک و ہند کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء کرام کو دعوت دی۔ اس میں نمایاں طور پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی شامل تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی چند ضروری مصروفیات کی بنا پر معذرت ظاہر کرتے ہوئے آئندہ اسی قسم کے دوسرے پروگرام میں آنے کا پختہ عزم ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ کی کریم النفسی اور وسیع القلبی پر مسرت ہوئی۔ آپ کی صلاحیتوں، قوتِ عمل اور جد و جہد کی قدر کرتا ہوں اور اپنے جیسے قاصر الہمّت اور ضعیف انسان پر ترجیح دیتا ہوں۔ جب بھی پاکستان آیا (تو انشاء اللہ اگر کوئی شدید مانع پیش نہ آیا تو) لاہور آؤنگا اور آپ کو بھی وقت دونگا اور اپنے مطالعہ و تجربے کے مطابق اخلاص کے ساتھ آپ کے رفقاء و طالبینِ علومِ قرآن کو مشورہ بھی دونگا۔''

اس کے علاوہ حضرت نے 26 جولائی، 1978ء میں ''قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور'' میں ''قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب'' کے عنوان سے ایک پُر اثر خطاب بھی فرمایا جو کہ ان کی کتاب ''حدیثِ پاکستان'' میں موجود ہے اور جس کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ''کاروانِ زندگی'' کی جلد نمبر دوم میں کیا ہے۔

☆مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی نظر میں :

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کا شمار پاک و ہند کے نامور علماء میں ہوتا ہے۔ آپ فاضل و استاد دارالعلوم دیوبند تھے۔ آپ کے استادوں میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ادریس کاندھلویؒ شامل ہیں۔ آپ ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے صدر بھی تھے۔

الحمدللہ! مولانا صاحب اتنے بڑے رتبہ کے باوجود ڈاکٹر اسرار احمد سے نہایت شفقت اور محبت سے پیش آتے اور اس کے ساتھ مولانا مرحوم نے ڈاکٹر صاحب کی اور دعوتِ قرآنی کے ضمن میں تنظیمِ اسلامی کی بڑی قدردانی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اسی حوالے سے مولانا نے ایک انٹرویو 19 مارچ 1985 کو ریکارڈ کروایا۔ اس کی چیدہ چیدہ باتیں درج ذیل ہیں۔

''ڈاکٹر اسرار احمد کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے جبکہ وہ ایک ڈاکٹر تھے اور ان کا career میڈیکل پریکٹیشنر کا تھا اور اس میں وہ کامیاب تھے لیکن جب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں اپنے آپ کو دین کی اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنے خاص نظریہ کے ماتحت جو انہوں نے مطالعہ قرآن سے اخذ کیا ہے، وقف کر دینا ہے تو انہوں نے باقاعدہ علومِ اسلامیہ کی تحصیل کی اور بڑے غور و فکر اور دقّتِ نظر سے اپنا لائحہ عمل طے کیا۔ پھر تاریخ اسلام میں جو تحریکیں پیدا ہوئیں ان کا انہوں نے بنظرِ غور مطالعہ کیا اور اس کے بعد پھر

جب انہوں نے کام شروع کیا تو نہایت ہی عاجزی اور انکساری کے ساتھ کیا۔
اس میں کوئی تعلّی نہیں ہے، اس میں کوئی انانیت نہیں ہے، اس میں بالا خانی
نہیں ہے۔ یہ تو ایک خاص چیز ہے جس نے مجھے ڈاکٹر صاحب کے متعلق
بہت ہی متاثر کیا............ڈاکٹر صاحب میں بڑی عاجزی اور انکساری ہے،
خلوص اور للّٰہیت ہے، اپنے بزرگوں کا احترام ہے، وہ یہ بتلاتے ہیں کہ جو
کام میں کرنے جا رہا ہوں وہ ہمارے بزرگ برابر کرتے رہے............
(ڈاکٹر صاحب نے) اسی کام کو آگے بڑھانا شروع کیا ہے اور اس کے لئے
مستقل ایک تنظیم انہوں نے قائم کی ہے۔ تنظیم کے سلسلے میں یہ عرض کرنا
ہے کہ یہ ایک بڑی اہم بات ہے کہ اس میں انہوں نے تنظیم کے مقاصد میں
''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو بہت اہم درجہ دیا ہے............
تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بہت ہی اہم چیز ہے۔ جیسے قرآن کریم میں
بہت اہم کام قرار دیا گیا ہے۔ یوں تو اپنی انفرادی زندگی میں ہر مسلمان
راعی (نگہبان) ہے ہی لیکن قرآن مجید وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ بھی کہتا ہے۔
اس کے معنی یہ ہے کہ ایک ایسی organization ہونی چاہئے، مستقل
طور پر ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو اپنے آپ کو وقف کر دے اس کے
لئے، اور اس کا کام کیا ہوگا ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''۔ تو گویا یہ جو خود
قرآن کے نزدیک بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے ڈاکٹر صاحب نے اس کو اپنی
تنظیم میں شامل کر کے ایک اتنا بڑا اہم اقدام کیا ہے جو کہ میرے خیال میں
اب تک بہت کم لوگوں کے لئے قابلِ توجہ رہا ہے اور اس بنا پر میں سمجھتا ہوں
کہ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس میں اعانت کرے،
قدمے دامے درمے جس طرح سے بھی ہو اور مجھے توقع بھی ہے کہ یقیناً

انشاء اللہ یہ ادارہ بہت ہی اہم اور مفید اور اسلام اور دین کے لئے بہت
ہی نفع بخش ثابت ہوگا۔''

(19، مارچ 1985ء کو ریکارڈ کروایا گیا ایک انٹرویو سے اقتباس)

☆مولانا اخلاق حسین قاسمی :۔

(مهتمم وشيخ التّفسير وشيخ الحديث جامعه رحيميه، دهلى)

مولانا اخلاق حسین قاسمی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے منسوب مدرسہ ''جامعہ رحیمیہ دہلی'' کے شیخ التفسیر و مہتمم ہیں۔ مولانا صاحب کا شمار ہندوستان کے نامور علماء میں ہوتا ہے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی طرح مولانا اخلاق حسین قاسمی نے بھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نہ صرف حوصلہ افزائی اور سرپرستی فرمائی بلکہ 1985ء میں ڈاکٹر صاحب کی دورہ انڈیا کے موقع پر جامعہ رحیمیہ دہلی میں اپنے مبارک ہاتھوں سے ڈاکٹر صاحب کی بطور عالم ''اعزازی دستار بندی'' بھی فرمائی۔ اور اس کے بعد تنظیم اسلامی کے حلقہء مستشارین میں شامل ہوگئے۔ الحمدللہ! مولانا صاحب کی طرف سے ڈاکٹر صاحب اور انکی قائم کردہ جماعت ''تنظیمِ اسلامی'' کی سرپرستی اور قدر دانی کا اندازہ درجِ ذیل تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط میں فرمایا:

''تنظیمِ اسلامی کے دونوں پرچے (میثاق اور حکمتِ قرآن) برابر پہنچ رہے ہیں۔
شکریہ۔ تنظیم کا سارا لٹریچر خاکسار کے مطالعے میں رہتا ہے اور جامعہ رحیمیہ کے
اساتذہ بھی اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ درسِ تفسیر کے طلباء کو بھی تاکید کی جاتی ہے
کہ وہ اسے بغور مطالعے میں رکھیں۔ بڑا استفادہ ہوتا ہے۔ تازہ میثاق میں علماء اور
دینی مدارس سے یہ اپیل کی گئی کہ وہ دعوتِ قرآنی کے نظام پر اپنی رائے دیں۔
آپ نے قرآنِ کریم کی دعوت کو جس ترتیب اور تنظیم کے ساتھ پیش کیا ہے وہ
وقت کی اہم ضرورت ہے .... آپ نے قرآنی دعوت کو مرحلہ وار جس سے

سائنٹیفک طریقے سے واضح کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے......اب ضرورت اس کی ہے کہ دعوتِ قرآنی کے خدوخال واضح کرنے اور اس کی بنیاد پر ایک تنظیم کی تشکیل کرنے کے ساتھ ہی اصلاحِ معاشرہ کا عملی پروگرام وضع کیا جائے اور اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد مثبت طریقوں پر جاری کی جائے۔''

(ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط سے اقتباس)

از قلم مولانا اخلاق حسین قاسمی : (میثاق ، جنوری 1985ء)

''پاکستانی اہلِ علم میں ڈاکٹر صاحب نے دینِ برحق کے غلبے اور اقامت کے لئے قرآنِ کریم کی اصولی دعوت کا مشن اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو نہ عالم ہونے کا دعویٰ ہے اور نہ فقیہ و متکلم اور شیخ و طریقت ہونے کا ادعا ہے۔ خدا تعالیٰ نے موصوف کو اپنے مقدس کلام کا بڑا اچھا فہم عطا کیا ہے اور اس کلامِ عظیم کے اصولی پیغام کو جدید استدلالی اسلوب میں پیش کرنے کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جدید تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور موصوف نے قرآنِ کریم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور وہ اس تحریک میں اپنا تن من سب کچھ لگا چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے سامنے اقامتِ دین کی تحریک کے تمام دور موجود ہیں اور جماعتِ اسلامی کی تحریک میں شامل رہ کر تمام اتار چڑھاؤ سے موصوف آگاہ ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوتِ قرآنی اور اقامتِ حق کی دعوت سے فقہی اختلافات کو دور رکھا ہے۔ وہ اہلِ علم کو فقہی اور اجتہادی مسائل میں وسعتِ فکر و نظر کی دعوت ضرور دیتے ہیں۔ معتدل راستہ اختیار کرنے کی اپیل کرتے ہیں، جو آج کے حالات کا شدید تقاضہ ہے۔ لیکن عوام کو وہ یہی مشورہ دیتے ہیں کہ اتباعِ سنت کی نیت سے ان کے لئے عافیت اسی میں ہے کہ وہ ایک فقہ کی پیروی کریں۔''

''پاکستان کے اندر اس وقت جزوی مسائل میں مختلف مکاتبِ فکر کے علماء آپس میں گتھم گتھا ہیں اور مخالفِ شریعت عناصر اس کو ہوا دے کر علماءِ دین کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اس حربِ عقائد (عقائد کی جنگ) سے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ملک میں شرعی نظام قائم کرنے کا مطلب اس ''لڑاکو طبقہ'' کے ہاتھ میں ملک کی باگ دوڑ دینا ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی فقہی مؤقف کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ موصوف کا مقصد یہی ہے کہ جزوی اور فروعی اختلافات کی شدت اور ہنگامہ آرائی کم سے کم ہو جائے اور ملّت کی پوری طاقت اور توجہ دینِ برحق کی اصولی دعوت پر مرکوز ہو جائے۔''

''ڈاکٹر صاحب نے اس احقر کو تنظیمِ اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں شامل فرمایا ہے حالانکہ یہ احقر اس قابل نہیں ہے۔ پھر پاک و ہند کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، جس کو بڑی مشکل سے عبور کر کے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے بہرحال! ڈاکٹر صاحب جس انقلابی دعوت کو لے کر اٹھے ہیں اس کے بارے میں اسلام کے لئے بننے والے دیش (وطن) میں یہ توقع بے جا نہیں ہے کہ وہ تحریک اربابِ اقتدار کے جبر و جور سے محفوظ رہی تو انشاء اللہ کامیاب ہوگی اور ہمارا اس تحریک سے تعلق رضائے الٰہی کا سبب بنے گا۔ انشاء اللہ۔''

(''ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اپیل اور علمائے دیوبند'' از مولانا اخلاق حسین قاسمی میثاق ، جنوری 1985ء)

☆ مولانا غلام نصیر چلاسیؒ کی نظر میں :-

مولانا صاحب پاکستان کے شمالی علاقے کی مشہور جگہ ''کوہستان'' کے ایک نہایت مقبول اور مقتدر دینی و روحانی رہنما ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ایک خط کے جواب میں فرمایا کہ :-

''آپ کے ارسال کردہ تمام کتب اور خط موصول ہوئے۔ فرصت کے اوقات میں آپ کے چند رسائل کا اجمالی جائزہ لیا۔ جس سے آپ کی تنظیم کا عزمِ مصمّم کا

بخوبی علم ہوا۔آپ کے جو کتب و رسائل مجھے موصول ہو چکے ہیں لوگوں میں تقسیم کردوں گا تا کہ عامۃ الناس ان سے استفادہ کر سکیں..........''

اس کے بعد مولانا چلاسیؒ صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد کی تعریف میں چند فارسی کی اشعار کہے،جس کے ایک مصرعے میں وہ کہتے ہیں،جس کے معنی یہ ہیں کہ :

''آپ کو دیکھ کر میرا یقین نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر مزید گہرا ہو گیا کہ میری امت میں ہمیشہ کم از کم ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا.....''

جو کہ پیش خدمت ہیں :

به مطلب می رسی اِسرار احمدؔ
اگر محکم بگیری تارِ احمد

مرادِ احقر از محکم گرفتن
بود اخلاص در هرکارِ احمد

صداقت حلِ هر یك مشکلے هست
همی دانست یارِ غارِ احمد

دِگر عرض اینکه از گفتار بگزر
پیران آبه آن کردارِ احمد

امید ماست هاشمی ابرنیاںؔ
بہ کم مدّت پئے گلزارِ احمد

خدایا آور آں ساعت که بینم
دوباره گرمتر بازارِ احمد

به سعی ایں رجال پاك فطرت
به هر جا تازه کن آثارِ احمد

چلاسیؔ را سَر و مَال است حاضر
برائے یاریِ هر یارِ احمدؔ

☆مولانا محی الدین لکھوی :۔

مولانا محی الدین لکھوی صاحب پاکستان کے مشہور علماء میں شامل ہیں اور آپ کا شمار اہل حدیث مکتبہ فکر کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے۔انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط میں فرمایا کہ :

''آپ کی کاوش قابلِ داد ہے اور آپ کا تصوّرِ دینی مستحسن ہے۔بات صرف یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے یہ بھی ایک فریضہ ہے کہ ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس کے جھگڑے سے بچو) اور اس آیہ مبارکہ پر عمل کی صرف ایک صورت ہے۔

وہ یہ کہ ''اِنِّیْ اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ'' (میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں،جماعت اختیار کرو اور سنو اور مانو اور ہجرت اور جہاد کرو) اس وقت جو انارکی اور انتشار پھیل چکا ہے اس کی وجہ سے ہم موجودہ دور کو ''شَرُّ الْقُرُوْنِ'' کہیں تو غلط نہیں اور میرا اس حدیث شریف پر پورا یقین ہے کہ '' وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً'' (جو کوئی مرا اس حالت میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ تھا وہ مرا جاہلیت کی موت)۔آپ تنظیم اسلامی کے نام پر بیعت لیتے رہیں۔ (آیت)﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (سورۃ التغابن:16) کی رو سے یہ صحیح ہے۔''

☆مولانا افتخار احمد فریدی کی نظر میں :

مولانا افتخار احمد فریدی کا تعلق مراد آباد،ہندوستان سے ہے اور موصوف پاک و ہند کے ان چند دردمند بزرگوں میں سے جن کا ایک ایک لمحہ دین وملت کے درد اور فکر کے لئے وقف رہا۔ان کا تعلق ''تبلیغی جماعت'' کے فعال رکن کی حیثیت سے رہا اور تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی صحبت ورفاقت کا شرف بھی حاصل رہا۔جب بھی ڈاکٹر صاحب انڈیا تشریف لے گئے تو مولانا صاحب

جملہ معذوریوں کے باوجود مرادآباد سے دہلی تک کے سفر کر کے تشریف لاتے اور ڈاکٹر صاحب کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اس کا اندازہ آپ کے خط ایک اقتباس سے ہو سکتا ہے جو درج ذیل ہے:۔

''میثاق اور حکمتِ قرآن سے آپ کی مساعیِ حسنہ کا حال معلوم ہو کر آپ کے لئے دل سے دُعائیں نکلتی ہیں.........آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک کی خدمت کے لئے قبول فرمایا ہے اس لئے عرض کر رہا ہوں، حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے فرمایا تھا کہ میری زندگی بھر کا تجربہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا قُرب جتنا میں نے تہجد کے وقت قرآن پاک کی تلاوت میں پایا اور کسی چیز میں نہیں پایا۔''

☆ مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کی نظر میں :

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ دراصل مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز اور پاک و ہند کے مشہور عصری تعلیم سے آراستہ علماء میں سے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب نے 1967ء میں جب تنظیمِ اسلامی کے قیام کے حوالے سے کوشش شروع کی تو اس پر بہت سے علماء نے اس کام کی تحسین فرمائی، جن میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ پیش پیش تھے جس کا اندازہ مرحوم کی مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے:۔

''لاہور کی ایک معزز دینی ماہنامہ ''میثاق'' سے معلوم کر کے دِلی خوشی ہوئی کہ وہاں چند ذی فہم وبصیرت مخلصوں کی سعی و اہتمام سے ایک نئے دینی ادارہ کی بنیاد بالکل صحیح اصولوں پڑ رہی ہے''

اور مولانا مرحوم کے سامنے جب تنظیمِ اسلامی کے قیام کے وقت جس چیز کی واضح الفاظ میں وضاحت کی گئی تھی کہ:

''آخر میں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ پیشِ نظر تنظیم ہرگز ''الجماعت'' کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ ''الجماعت'' کا مقام ہماری دانست میں امت مسلمہ کو مجموعی طور پر حاصل ہے۔ دین کی خدمت ایک نہایت وسیع و عریض کام ہے اور اس کے

گوشے بے شمار ہیں۔ ہم ان تمام جماعتوں اور اداروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو کسی بھی گوشے میں دین کی خدمت کا کام کر رہی ہیں اور انشاء اللہ اُن کے ساتھ ہمارا روّیہ تعاون و تائید والا ہوگا''

(کتاب ''تعارفِ تنظیمِ اسلامی'')

اس موءقف پر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے ان الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کی ان تحسین فرمائی:

''بات اصلاً بہت موٹی اور بلکل صاف و واضح ہے، لیکن اس زمانے میں بہت بڑی بات ہے۔ دین و امت کی خدمت کے اتنے پہلو ہیں اور خدمت کیلئے گنجائش اتنی ہے کہ اگر نفسیات کو چھوڑ کر تھوڑے سے بھی عزم و حوصلہ کے ساتھ خدمت کا ارادہ ہو تو خلوص اور فہمِ سلیم سے کام لینے والا ہر فردِ امت اس کے اندر کھپ سکتا ہے اور باہمی مناقشہ سے جواب تک بڑا سنگِ راہ بنا ہوا ہے، نجات پا کر ہر گروہ اپنے مذاق و استعداد کے لحاظ سے سچّا خادمِ دین بن سکتا ہے''

(میثاق، لاہور۔ جنوری 68ء بحوالہ ''صدقِ جدید'' 17 نومبر 67ء)

☆ حضرت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاریؒ کی نظر میں :

حضرت مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاریؒ تنظیم جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے امیر تھے۔ 15، ستمبر 1984 کو عالی مسجد نواں کوٹ، ملتان روڈ، لاہور میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر ''توحید عملی کا اقامتِ دین سے ربط و تعلق'' کے بعد اپنے تأثرات و مشاہدات کا اظہار اس طرح فرمایا:

''بزرگو! بھائیو! عزیزو! ہمارے محترم و مکرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مَاشَاءَ اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جس خوبی، اخلاص اور

سوز اور درد دل سے توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کو مفصّل اور پورے اجزاء کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور پھر الحمد للہ کتاب وسنت کے پورے حوالے سے اور صحیح تشریح سے آپ حضرات تک فصل الخطاب کے ساتھ پیغامِ حق پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرا یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جناب محترم کی تقریر سنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دے۔ اللہ تعالیٰ دین حق پر، دین قیّم پر، دین خالص پر جناب محترم کو استقامت اور اخلاص کی نعمت نصیب فرمائے اور ولولے، جس جذبے، جس محنت کے ساتھ یہ رضائے الٰہی کو مقصود بنائے ہوئے دعوت حق کا کام کر رہے ہیں، تبلیغ کا حق ادا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے اپنوں کی بھی باتیں سن رہے ہیں، غیروں کے طعن و تشنیع بھی برداشت کر رہے ہیں، اس کام وقتاً فوقتاً جو تکالیف اٹھاتے اور جھیلتے ہیں وہ ان کے لئے توشۂ آخرت بنائے اور اللہ تعالیٰ اس دعوت کو کامیاب فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو توفیق دے اور اپنے فضل ورحمت سے ہماری قسمت میں یہ سعادت عطا فرمادے کہ اللہ اللہ جس طرح ڈاکٹر صاحب دل وجان سے کوشش کر رہے ہیں کہ دین توحید اجتماعی رنگ میں غالب اور نافذ ہو جائے۔ دین پورا پورا قائم ہو۔ اس طرح ہم بھی اس کام میں لگ جائیں۔ ان کی تو کوشش ہے، محنت ہے۔ ان کے ساتھیوں کی محنت اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائے یہ اسکے ہاتھ میں ہے۔ البتہ ہمیں وہ سب کچھ کرنا چاہیئے جو ہم سے بن سکے۔ اس کے مصداق تو ہم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کی قدرتِ کاملہ سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کامیابی عطا فرمائے...... اللہ اللہ کام کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میرے ساتھ لوگ آتے ہیں یا نہیں آتے۔ دیکھنے والے بھی یہ نہ سوچیں کہ اس کے ساتھ فلاں بزرگ ملے یا نہیں ملے۔ (اصل) یہ دیکھو کی کام صحیح ہے؟ کتاب وسنت کے مطابق ہے؟ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے مطابق ہے؟ نبی اکرم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی کے مطابق ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد، پھر قبول کرنا چاہیئے۔

زیادہ لوگ ہوں یا نہ ہوں، اس میں اعلیٰ قسم کے لوگ ہوں یا نہ ہوں۔ وہ معاملہ نہ ہو جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے آنجناب کے ساتھ کیا تھا، ﴿وَمَا نَرَاکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ﴾ ''اے نوح! ہم دیکھتے ہیں بڑے بڑے سردار لوگ، بڑے بڑے ذہین لوگ، بڑے بڑے باوجاہت لوگ وہ تیرے ساتھ آئے نہیں۔ ہماری قوم کے کچھ ادنیٰ لوگ، کم عقل اور بے وقوف لوگ ہیں جو تیرے پیچھے لگ گئے ہیں۔'' اللہ اللہ میں آپ لوگوں کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی دعوت کا ساتھ دیں۔ اس میں ہماری دنیا اور عاقبت کی بھلائی ہے۔''

☆مولانا یوسف بنوریؒ کی نظر میں :

الحمد للہ ڈاکٹر اسرار احمد کو مولانا یوسف بنوریؒ کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل تھی اور یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے مولاناؒ نہایت شفقت ومحبت سے کا اظہار فرماتے اور انہوں نے ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کو 72ء میں اپنے دورۂ حدیث کے طلباء سے ''جامعہ بنوری نیوٹاؤن'' میں، خطاب کا موقع عنایت فرمایا۔ جس میں ڈاکٹر صاحب نے ''اسلام کی نشاءۃ ثانیہ'' کے موضوع پر گفتگو کی جس کی مولانا نے کھلے دل سے تصدیق فرمائی۔ اس کے علاوہ 70ء میں دوران رمضان مدینہ منورہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی مشہور ومعروف کتاب ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' مولاناؒ کی خدمت میں دوران اعتکاف اس درخواست پر پیش کی کہ اسے ایک نظر دیکھ لیں کہ کوئی غلطی ہو تو متنبہ فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح ہو جائے۔ مولاناؒ نے اس کا بغور مطالعہ فرمایا اور ایک مقام پر عبارت کی اصلاح فرمادی۔

☆شیخ الحدیث مولانا گوہر رحمان (مردان) کی نظر میں :-

شیخ الحدیث مولانا گوہر رحمان سابق رکن قومی اسمبلی ہیں اور دارالعلوم تفہیم القرآن کے شیخ الحدیث بھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"آپ اور آپ کی انجمن (خدام القرآن) نے اصلاحِ معاشرہ کے لئے
"جہاد بالقرآن" کا جو طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ میں اس کی تحسین کرتا ہوں
اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العالمین اس جدوجہد میں برکت ڈالے اور
کامیابی عطا فرمائے۔"

مولانا احمد علی لاہوریؒ کے فرزند حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کی نظرمیں :

تنظیمِ اسلامی کے قیام کا فیصلہ جولائی 1974ء میں جس اکیس روزہ "قرآنی تربیت گاہ" میں ڈاکٹر صاحب نے کیا تھا۔ اس کی افتتاحی تقریب کے مہمانِ خصوصی "شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ" کے فرزند خلف الرشید حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ تھے۔ اس تقریب میں مولانا عبید اللہ انورؒ نے ڈاکٹر صاحب کی قرآن پاک کی خدمت کے حوالے سے تحسین علامہ اقبال کے ان الفاظ فرمائی کہ :

ع　　پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تنظیمِ اسلامی کے حلقہء مستشارین میں شامل علماء کرام :

ڈاکٹر صاحب نے علمائے حقانی سے ربط وضبط قائم رکھنے کے لئے اور ان سے رہنمائی کے لئے تنظیمِ اسلامی کے "حلقہء مستشارین" کا قیام فرمایا تا کہ وقتاً فوقتاً مختلف مسائل اور معاملات کے حوالے سے علماء کرام کی قیمتی آراء کو سامنے رکھا جا سکے۔ تنظیمِ اسلامی کے حلقہء مستشارین میں درجِ ذیل چوٹی کے علماء کرام شامل تھے :

(i) مولانا اخلاق حسین قاسمی
شیخ التفسیر ومہتمم جامعہ رحیمیہ، دہلی انڈیا

(ii) مولانا سیّد حامد میاںؒ
خلیفہ مجاز حضرت مولانا سیّد احمد مدنیؒ وشیخ الحدیث جامعہ مدنی۔ لاہور

(iii) مولانا محمد طاسینؒ
دامادِ محترم حضرت مولانا یوسف بنوریؒ

اس کے علاوہ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا یوسف بنوریؒ سے بھی ڈاکٹر صاحب نے حلقہء مستشارین کے حوالے سے درخواست کی تو دونوں حضرات نے اس کی تحسین فرمائی لیکن اپنی ناگزیر مصروفیات اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے معذرت ظاہر فرمائی۔

الحمدللہ! مندرجہ بالا تمام حوالوں سے اندازہ ہو گیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کی قائم کردہ تنظیمِ اسلامی کو (بقول لوگوں کے "مستند" اور "فیض یافتہ" نہ ہونے کے باوجود) نہ صرف علماء کرام کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل تھی بلکہ اس کام کے حوالے سے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی کس انداز میں دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

بعض غلط فہمیوں کی بنیاد پر چند علماء کی مخالفت :

البتہ کچھ علماء کرام نے محض غلط فہمی اور بعض کرم فرماؤں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے نامکمل اور حذف شدہ باتوں جو بڑھا چڑھا کر علماء کے سامنے پیش کرنے کی وجہ سے مخالفت فرمائی ۔ان میں مولانا یوسف بنوریؒ بھی تھے،جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی ایک تقریر ''راہ نجات ،سورۃ العصر کی روشنی میں'' (جو کہ کالج کے طلبہ سے سامنے کی تھی اور جو کہ بعد میں انجمن خدام القرآن کے تحت کتابچے کی صورت میں شائع بھی ہوئی تھی) پر اپنے انتقال سے کچھ دنوں پہلے گرفت فرمائی جو دراصل ایک دینی ادارہ کے ماہنامہ کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے اوّل و آخر حذف کر کے شائع کرنے کی وجہ سے مولاناؒ نے غلط فہمی کی بنیاد پر کی ......اور اس گرفت کو بنیاد بنا کر مولانا یوسف لدھیانویؒ نے ڈاکٹر صاحب کی مخالفت فرمائی ۔اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے حتی الامکان ان غلط فہمیوں کو دور کرنے اور افہام و تفہیم سے معاملات کو سلجھانی کی ہر ممکن کوشش کی ، جس کا اندازہ ڈاکٹر صاحب کی بیس سال قبل ''تذکرہ وتبصرہ'' کے نام سے ماہانامہ میثاق ،لاہور ،مارچ 85ء میں شائع ہونے والی ایک تحریر سے ہوسکتا ہے :

''مولانا محمد یوسف لدھیانوی[1] کے قلم نے راقم (ڈاکٹر اسرار احمد) کے خلاف مخالفانہ انداز اختیار فرمالیا۔ یہ معاملہ اگر اس طرح ہوتا کہ مولانا نے راقم کی علمی و فکری لغزشوں پر پے بہ پے ٹوکا ہوتا ،اور اس کی اختیار کردہ دینی تعبیرات کی غلطیوں پر تنبیہ کی جس پر راقم نے مسلسل ضد اور ہٹ دھرمی کی روش اختیار کی ہوتی اور اس کے نتیجے میں مولانا کے طرزِ عمل میں وہ تبدیلی واقع ہوتی تو ہمیں کوئی حق نہ ہوتا......لیکن صورت واقعہ اس کے بلکل برعکس ہے کہ آج تک مولانا نے راقم کی کسی علمی یا فکری غلطی کی نشاندہی نہیں فرمائی (صرف ایک بار مجلس احرارِ اسلام اور 53ء کی ختم نبوت کی تحریک کے بارے میں راقم کے بعض غیر محتاط الفاظ پر گرفت فرمائی تھی ۔جس کی پوری

---

(۱) واضح رہے کہ مولانا یوسف لدھیانویؒ اس وقت حیات تھے (مرتب)

وضاحت راقم نے تحریراً بھی کردی تھی اور حاضرِ خدمت ہوکر بھی بالمشافہ بھی کردی تھی ۔جس پر انہوں نے اطمینان کا اظہار فرمایا تھا!) لیکن جنوری اور فروری 85ء کے (الخیر اور بیّنات کے) شماروں میں ،اندیشہ ہائے دور دراز ، کے پیش نظر راقم کو جو مشورہ دیا۔اس کا حاصل یہ بنتا ہے کہ راقم اپنی جملہ سرگرمیوں اور دینی خدمات کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دے ۔ہم مولانا کے اس مشورہ کو بھی خلوص و اخلاص ہی پر محمول کر کے سکوت اختیار کرتے اگر انہوں نے بعض صریح زیادتیاں نہ کی ہوتیں ۔''

''ان میں سب سے بڑی زیادتی تو مولانا نے راقم کے کتابچے ''راہِ نجات ،سورۃ العصر کی روشنی میں'' پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا تنقیدی و تنبیہی تبصرہ تو پورے کا پورا نقل کردیا ہے لیکن اس پر جو وضاحت راقم نے ''میثاق'' میں شائع کی تھی ،اس کا تذکرہ تک نہیں کیا......! اس ضمن میں یہ بات تو ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اُس وقت بھی راقم کی وضاحت مولانا لدھیانوی جیسے بیدار و ہوشیار اور محنتی شخص کی نظر سے نہ گزری ہو البتہ یہ عین ممکن ہے ،اور ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ اس وقت وہ ان کی یاد داشت میں محفوظ نہ رہی ہو اگرچہ یہ بات بھی ان کے منصب کے شایانِ شان نہیں گویا معاملہ وہی ہے کہ :

اِنْ کُنْتَ لَا تَعْلَم فَھٰذَا مُصِیْبَۃٌ

وَاِنْ کُنْت تَعْلَم فَالْمُصِیْبَۃُ اَعْظَم

(اگر آپ نہیں جانتے ہیں تو یہ ایک تکلیف کی بات ہے

اور اگر آپ جانتے ہیں تو یہ اس سے زیادہ تکلیف کی بات ہے)

بہر حال اب جبکہ مولانا بنوریؒ کا رقم کردہ وہ شذرہ (اعتراض) ''بینات'' جیسے دقیع مجلّے میں دوبارہ شائع ہوگیا ہے تو اپنی سابقہ وضاحت پر مستزاد عرض ہے کہ :

(1) اس معاملہ کا تعلق اصلاً تو اس حقیقت سے ہے کہ فقہ و قانون اور قضاء و افتاء کی زبان اور دعوت و تبلیغ ، وعظ و نصیحت اور اخلاقی تلقین کے لئے ترغیب و ترہیب کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے اور اصلاً اسی فرق کو ملحوظِ خاطر نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کہ مخالفین نے شاہ اسماعیل شہیدؒ اور

مولانا اشرف علی تھانویؒ (جیسے عظیم المرتبت علماء کرام) کی بعض عبارتوں پر طوفان کھڑے کردیئے۔ جس کا تلخ تجربہ پورے حلقۂ دیوبند کو ہے......، بلکہ اگر اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو خود قرآن حکیم اور فرموداتِ نبی ﷺ پر ''تضاد'' کا الزام عائد ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم اخلاقی اور روحانی سطح پر عفو درگزر کی تلقین کرتا ہے لیکن قانونی و دنیوی نظام کی مصلحتوں کے پیش نظر قصاص کی اہمیت اجاگر کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر تلقین کرتا ہے کہ ضرورت سے زائد جو کچھ ہو اللہ کی راہ میں دے دو......!

﴿یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْو﴾

(یہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں، کہہ دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔)

اور دوسری طرف وراثت کا تفصیلی قانون بھی بیان کرتا ہے اور زکوٰۃ کی تلقین بھی کرتا ہے۔ جس کے نصاب اور مقادیر کا معاملہ سنتِ رسول ﷺ نے معین فرما دیا ہے۔ (معلوم رہے کہ اسی اخلاقی اور قانونی تعلیمات میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ اشترا کی اس آیہ مبارکہ کو اپنی تائید کے لئے استعمال کرتے ہیں۔)

(2) ثانیاً اس کا تعلق ''ایمان'' کی تعریف سے ہے۔ اس امت کے دو عظیم ترین ہستیاں بظاہر متضاد مؤقف رکھتی ہیں۔ چنانچہ فقیہہ اعظم امام ابوحنیفہ کا مشہور مؤقف یہ ہے کہ ''اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّیَزِیْدُ وینْقُصُ'' جبکہ محدّثِ اعظم امام ابو بخاریؒ کا قول ہے کہ ''اَلْاِیْمَانُ قَوْلٌ وَّلَایَزِیْدُ وَلَایَنْقُصُ'' ان بظاہر اقوال کے مابین تطبیق کی حسین ترین صورت یہ ہے کہ پہلی تعبیر اس فقہی اور قانونی ایمان کی ہے جو اس دنیا میں معتبر ہے اور جس کی بنا پر کسی شخص کے مسلم ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے جبکہ دوسری تعبیر اُس حقیقی ایمان کی ہے جو آخرت میں معتبر ہوگا۔ اور دونوں ہی تعبیریں اپنی اپنی جگہ صد فی صد درست ہیں۔ بہر حال راقم کا مؤقف یہ ہے کہ جس کو میں پہلے بھی واضح کر چکا ہوں کہ:

''میں اس دنیا میں کسی کے دعویٔ اسلام و ایمان کی قبولیت کا دار و مدار صرف اس کے قول کو قرار دیتا ہوں۔ عمل کی بنیاد پر کسی کے دعویٔ اسلام و ایمان کو رد کر دینا درست

نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میرے نزدیک گناہِ کبیرہ کے مرتکب کی بھی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ تکفیر کی صرف ایک صورت درست ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اسلام کی کسی بنیادی بات (جیسے مثلاً ختمِ نبوت) کا انکار کردے یا اس کی ایسی تعبیر کرے جو انکار کو مستلزم ہو۔ رہا آخرت کا معاملہ تو وہ اللہ کے حوالے ہے، وہ علیم بذات الصدور ہے۔ چنانچہ اپنے علمِ کامل کی اساس پر فیصلہ کرے گا۔ البتہ اصولاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں صرف وہی ایمان معتبر ہوگا جو کسی نہ کسی درجہ میں تصدیق بالقلب یعنی دلی یقین کے ساتھ ہو۔ اور اس مرتبہ پر اعمالِ صالحہ بھی ایمان کے ذیل ہی میں آجاتے ہیں۔''

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ راقم کو یقین ہے کہ اگر وہ یہ وضاحتیں مولانا بنوریؒ کی خدمت میں پیش کرتا تو وہ یقیناً قبول فرما لیتے بلکہ راقم اپنا یہ کتابچہ بھی انکی خدمت میں پیش کر دیتا کہ اس میں جہاں جہاں کسی لفظی بے احتیاطی کے باعث کوئی مخالف مفہوم متبادر ہوتا ہو تو اصلاح فرما دیجئے............! اور راقم کو یقین ہے کہ مولاناؒ کی اصلاح سے میرا مفہوم زیادہ نکھرتا۔ (جس کی ایک مثال ''قرآن مجید کے حقوق'' نامی کتابچے کے ضمن میں مولانا یوسف بنوریؒ نے ایک جملہ کی تصحیح کر کے تائید فرمائی تھی۔) بہر حال اب بھی اگر مولانا لدھیانوی اس کتابچے کے بالاستیعاب مطالعے کی تکلیف گوارا فرما کر ایسے مقامات کی نشاندہی فرمائیں تو انشاء اللہ راقم کو کسی ضد میں مبتلا نہ پائیں گے۔

مولانا لدھیانوی کی دوسری بڑی زیادتی ان کا استہزائیہ انداز ہے۔ جو کسی اخبار کے فکاہی کالموں یا ادیبوں یا ادبی جرائد کے مزاج سے تو مناسبت رکھ سکتا ہے، دینی جرائد اور ان کے بھی ادارتی صفحات کے شایان شان ہرگز نہیں، ع ''ایں حالِ نیست صوفیٔ عالی مقام را'' چنانچہ انہوں نے اپنی طویل تحریر کا اختتام تو ان الفاظ سے کیا ہے کہ ''آخر میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محض خیر خواہی کے جذبے سے لکھا ہے، ڈاکٹر صاحب کی شان کے خلاف کوئی بات نکل گئی تو اس پیشگی (؟) معذرت کا طالب ہوں''............ لیکن خود اس جملے میں ''شان'' کے لفظ کی

استہزائی شان سے قطعِ نظر پوری تحریر میں جا بجا طعن وطنز کا انداز موجود ہے......مثلاً :

(i) انہوں نے ''تنظیم اسلامی'' کے نام سے اپنے ''مدّاحوں'' کی ایک جماعت بنا رکھی ہے۔

(ii) موصوف کو شکایت ہے کہ علماء کرام نہ صرف یہ کہ ان کے ''مبارک سلسلہ'' سے تعاون نہیں کر رہے بلکہ......

(iii) جبکہ ٹیلی ویژن پر ان کے ''الھدیٰ'' کا ''غلغلہ'' ہے۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں پڑھے لکھے ان کے ''حلقہ ادارت'' میں شامل ہونے کو ''سعادت'' سمجھ رہے ہیں۔

(iv) ڈاکٹر صاحب تو اپنی اس ''فتوحات پر نازاں'' ہیں اور......

(v) اس جہاد کے لئے انہوں نے تنظیم اسلامی تشکیل دے کر ''سفرِ قیادت'' کا آغاز کر دیا ہے اور اس پر مستزاد یہ ''چشم بدور'' انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح ''سلسلہ بیعت'' بھی جاری فرما دیا ہے (جسے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مقابلے میں ''سلسلہ عالیہ اسراریہ'' کہنا موزوں ہوگا)

(vi) میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ ان سے عرض کیا جائے کہ آپ ایک نئی جماعت بنا کر اور ''بیعت کی نئی طرح'' ڈال کر......

اس ضمن میں راقم نہایت ادب کے ساتھ مندرجہ ذیل گزارشات کی اجازت چاہتا ہے :

(1) یہ اندازِ نگارش خواہ اپنی جگہ ادبیت کا شاہکار قرار پائے، دینی جرائد خصوصاً ''بینات'' اور اس کے بھی ''ادارتی صفحات'' کے شایانِ شان نہیں ہے......!

(2) سورت الحجرات کی آیت نمبر 11 میں انہی امور سے منع فرمایا گیا ہے، یعنی :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

(سورة الحجرات : 11)

''اے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو مذاق نہ اڑائیں مرد مردوں کا ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ مذاق اڑائیں عورتیں عورتوں کا ممکن ہے وہ مذاق اڑانے والیوں

سے بہتر ہوں اور نہ ہی ایک دوسرے پر الزام لگایا کرو اور نہ ہی چسپاں کیا کرو بُرے نام بُرے القاب، بہت ہی بُرا ہے بُرا نام رکھنا ایمان کے بعد اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے پس یہی لوگ (اللہ کے نزدیک) ظالم ہیں۔''

(3) زبان اور قلم راقم کے بھی پاس ہیں، اور وہ بھی مولانا لدھیانوی کی زبان وقلم کے مقابلے میں نہایت حقیر اور بے بضاعت ہوں تاہم کسی نہ کسی درجہ ترکی بہ ترکی جواب دیا جا سکتا ہے خصوصاً جبکہ اس سے نفس کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے......پھر ماہانہ جرائد بھی راقم کے پاس ایک چھوڑ دو دو ہیں، اور خواہ ڈائجسٹوں کے مقابلے میں ان کا حلقہ ء اشاعت بہت محدود ہو، دینی جرائد کے اعتبار سے ہرگز کم نہیں ہے......لیکن ایک خاص سبب سے راقم یہ صورت اختیار نہیں کر سکتا......

گویا بقول شاعر :

ع ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کہ نہیں آتی

(4) اور وہ خاص سبب یہ ہے کہ راقم کی حیثیت اس وقت ''سائل'' کی ہے۔ اس نے جس دینی خدمت کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ آیہ مبارکہ '' وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ''(جو کوئی محنت کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کیلئے کرتا ہے) کے مطابق سراسر اپنے ہی بھلے اور اپنے ہی فائدے کے لئے اٹھایا ہے، اس میں جب وہ تعاون کا طلبگار رہتا ہے تو ظاہر ہے کہ :

ع مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج

کے مصداق ایک طرح کا سوالی ہے......تو راقم بحمداللہ اپنی کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دینِ حق کے غلبہ واقامت کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کے ضمن میں وہ اگر سرپرستی اور تعاون کا سوال کر رہا ہے تو اس کی حیثیت بھی ''سائل'' کی ہے۔ لہٰذا مولانا لدھیانوی جیسے حضرات کو اگر کچھ شکوک وشبہات ہیں تو بے شک سوالی کو خالی ہاتھ لوٹا دیں لیکن کم از کم :

﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ ﴾ (سورة البقرة : ٢٦٤)

(کوئی بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کرنا)

﴿ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ﴾ (سورة الضحیٰ : ۱۰)

(اور سوال کرنے والے کو مت جھڑکیے)

﴿فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلاً مَّيۡسُوۡرًا﴾ (سورة بنی اسرائیل :۲۸)

(تو پھر تم ان کے حق میں کہو کوئی آسان بات)

کی قرآنی ہدایات کو تو پیشِ نظر رکھیں......

راقم خدا کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہے کہ اسے مولانا لدھیانوی کے خلوص واخلاص پر کوئی شک نہیں ہے..........اور راقم کے علم میں ہے کہ دوسرے بہت سے مخلص علماء کرام کے بھی راقم سے اس بنا پر اندیشے اور خدشے لاحق ہیں کہ ’’ خدمتِ دین کا بیڑہ اٹھانے والوں کو دو شرطوں پر پورا اترنا چاہئے..........ایک یہ کہ وہ باضابطہ اور مستند عالمِ دین ہوں اور..........دوسرے یہ کہ متقی اور مزکی ہوں ۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ راقم کھل کر بات کرنا چاہتا ہے۔ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو شرائط میں سے) دوسری چیز تو کسی ناپ تول میں آنے والی نہیں ہے۔ اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں ہوسکتا، لہٰذا آخری تجزیئے میں شرطِ واحد یہ رہ جاتی ہے کہ علمِ دین کا مروّجہ معیارات کے مطابق ہوں اور مسلمۃ المقام علماء سے سندِ فراغت حاصل کی ہو..........!

اس پر سب سے پہلی گزارش تو راقم کی یہ ہے کہ کسی ایک ہی ایسے ’’بڑے فتنے ‘‘ کا نام بتا دیا جائے جس کا آغاز کرنے والے مستندِ عالمِ دین اور مسلّم حیثیت کے مالک علماء کرام کے فیض یافتہ نہ ہوں۔ چنانچہ کیا مسلم انڈیا کی تاریخ کے سب سے بڑے فتنے یعنی ’’دینِ الٰہی‘‘ کے مصنّف ابوالفضل اور فیضی مسلّم عالمِ دین نہ تھے......؟ اسی طرح عہدِ حاضر کے عظیم فتنوں کے بانیوں میں سے کیا سر سید احمد خان مرحوم وقت کے اعلیٰ ترین معیارات کے مطابق عالمِ دین اور بہترین علماء کے فیض یاب نہ تھے......؟ کیا حکیم نورالدّین بھیروی نے وقت کے چوٹی کے علماء سے کسبِ علم نہیں کیا تھا......؟ (اور واضح رہے کہ غلام احمد قادیانی کی گمراہی میں اصل دخل اسی شخص کو حاصل تھا۔) کیا مولوی عبداللہ چکڑالوی اور علامہ اسلم جیراج پوری علماء میں سے نہیں تھے......؟ (غلام احمد پرویز کا ذکر چھوڑ دیجئے کہ وہ ان ہی اصحابِ ثلٰثہ یعنی سر سید، علامہ جیراج پوری اور مولوی چکڑالوی کا خوشہ

نشین ہے، خود کچھ نہیں) مزید قریب آ کر دیکھئے......!! کیا مولانا امین احسن اصلاحی مدرسۃ الاصلاح اعظم گڑھ کے سند یافتہ فارغ التحصیل اور پھر علامہ فراہیؒ جیسے محقق قرآن اور محدّث مبارک پوریؒ جیسے عالم وشارح حدیث نبوی ﷺ کے فیض یافتہ نہیں تھے......؟ اس سے بھی زیادہ قریب کی مثال درکار ہو تو کیا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی باضابطہ سند یافتہ ’’ فاضل علوم دینیہ‘‘ (جامعہ بنوری ٹاؤن) اور خود مولانا بنوریؒ کے فیض یافتہ نہیں ہیں......؟

واقعہ یہ ہے کہ ہدایت وضلالت کا دارومدار ’’علم‘‘ پر نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف دو چیزوں پر ہے۔

(1) ایک انسان کی اپنی نیت وارادہ اور......

(2) دوسرے اللہ کی توفیق وتیسیر (آسانی)......!!

اگر انسان کے اپنے دل میں کجی اور نیت میں فتور ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی اپنی سنت کے مطابق کہ:

﴿فَلَمَّا زَاغُوۡا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ﴾ (سورۃ الصّف : ۵)

(جب وہ ٹیڑے ہوئے اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑے کر دیا)

اس سے توفیقِ خیر سلب فرمالے تو ایسے انسان جتنا بڑا عالم وفاضل ہوگا اتنا ہی بڑا فتنہ اٹھائے گا...... بلکہ بڑے فتنے تو بڑے علماء اور فضلاء ہی اٹھا سکتے ہیں۔ غریب عامی واُمّی انسان فتنہ اٹھانا چاہے گا بھی تو بڑا فتنہ کیسے اٹھائے گا۔ یہی بات علماء کرام مولانا رومؒ کے اسی شعر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ :

علم را بَر زَنی یارے بود
علم رَا بر تَن مارے بود

اور یہی بات آنحضور ﷺ کے اس قول میں وارد ہوئی کہ :

’’ایک زمانہ آئے گا مسلمانوں کی مسجدیں آباد تو ہونگی لیکن ہدایت سے خالی ہونگی، ان کے علماء آسمان کے نیچے کی ’’بدترین مخلوق‘‘ ہونگے، فتنہ وفساد ان ہی کے اندر سے نکلے گا اور ان ہی میں واپس لُوٹ جائے گا۔‘‘ (بھیقی فی شعب الایمان عن علیؓ)

الغرض، مولانا لدھیانوی اور جملہ علمائے حقانی کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ خود انہیں اللہ تعالیٰ نے جو خیر کثیر عطا فرمایا ہے اس پر اللہ کا شکر بجالائیں اور راقم کے حق میں دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے شیطان اور نفس کے فتنوں سے اپنی حفاظت میں رکھے اور اگر اپنے وقت اور صلاحیت کا ایک حصہ اس کام کے لئے بھی وقف کردیں کہ مجھ پر، میری سرگرمیوں پر، اور میری تحریروں پر نظر رکھیں اور جہاں کجی نظر آئے، تعین کے ساتھ متنبہ فرمائیں تو اسے تو راقم ان کا اپنے اوپر ذاتی احسان سمجھے گا......!!

اس ضمن میں ایک واقعہ اور یاد آیا۔ چند سال قبل کی بات ہے کہ مشفق مکرم سردار اجمل خان لغاری (رحیم آباد، ضلع رحیم یار خاں) کی موجودگی میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدّ ظلہ، نے راقم کے بارے میں کچھ تنقیدی کلمات ارشاد فرمائے جس پر لغاری صاحب نے ان سے سوال کیا کہ ”کیا آپ کی اس (ڈاکٹر اسرار احمد) سے ملاقات ہوئی......؟ یا کیا آپ نے کبھی اس کی تقریر سنی......؟ کیا آپ نے کبھی اس کی کوئی تحریر پڑھی......؟“ اور جب تینوں سوالوں کا جواب نفی میں ملا تو انہوں نے باصرار عرض کیا کہ میرے ساتھ ابھی لاہور چلئے، میں اس سے آپ کی ملاقات کراتا ہوں......! جس پر مفتی صاحب نے حامی بھرلی، چنانچہ یہ حضرات لاہور تشریف لے آئے اور گلبرگ میں لغاری صاحب کے بھانجے کے مکان پر مقیم ہوئے۔ لغاری صاحب نے فون پر راقم کو حکم دیا کہ فوراً آؤ، چنانچہ راقم فوراً حاضر ہوگیا......! گفتگو کا آغاز ہوا تو قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا:

”ہم کسی ایسے شخص کو درسِ قرآن کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں، جس نے نہ باقاعدہ علم حاصل کیا، نہ علمائے حقانی اور اہل اللہ کی صحبت اٹھائی؟“

اس پر راقم نے قدرے توقف کے بعد عرض کیا کہ:

”حضرت! اوّل تو یہ آپ کی اجازت پر منحصر نہیں، دوسرے فرض کیجئے میں آپ کے حکم میں درس بند کردوں تو غلام احمد پرویز تو نہیں کرے گا......! تو بتایئے کہ اس سے دین کا نفع ہوگا یا نقصان......؟“

الحمدللہ کہ راقم کی اس دلیل کو مفتی صاحب نے کھلے دل سے قبول فرمالیا اور صرف اس قدر اضافہ فرمایا کہ

”لیکن یہ لازم ہے کہ علماء کے ساتھ ربط وضبط رکھا جائے۔“

جس پر میں نے عرض کیا کہ

”میں نہ صرف یہ کہ اس کے لئے انتہائی دلی آمادگی اور رغبت کے ساتھ تیار ہوں بلکہ پہلے سے اس پر عمل پیرا ہوں“

امید ہے کہ مولانا لدھیانوی اور ان کی طرز پر سوچنے والے علماء کرام معاملہ زیرِ بحث کے اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور فرمائیں گے............!!

لیکن چونکہ قرآن کے نام اٹھنے والے بہت سے گروہ ”ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا“ (خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا) کا مصداق بن گئے لہٰذا راقم نے پانچ احتیاطوں کا ذکر بھی کیا یعنی :

(1) اسلاف کے ساتھ دلی محبت اور عقیدت واحترام کا رشتہ کسی صورت نہ ٹوٹنے پائے۔

(2) تقلید جامد اور اجتہادِ مطلق کے مابین معتدل راہ اختیار کی جائے۔

(3) تمسّک بالقرآن کے ضمن میں :

(i) آیاتِ احکام کی وہی تعبیر صحیح قرار دی جائے جو سنتِ رسول ﷺ، سنت خلفائے راشدین، اجماع صحابہؓ اور سلف صالحین خصوصاً ائمہ اربعہ کے اجتہاد کے اندر اندر ہو۔

(ii) البتہ تاریخی اور سائنسی مباحث میں جدید انکشافات کو مدنظر رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(4) علماء حقّانی کے ساتھ ربط وضبط اور ان کی خدمت میں طالبِ علمانہ حاضری اور

(5) علماء حق کا اعتماد حاصل کرنے کی پوری کوشش......!!

مولانا لدھیانوی اگر تنقید کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں تو ان جملہ نکات کو پیش نظر رکھ کر تنقید فرمائیں۔ راقم اور اس کے ساتھی انشاءاللہ حتی الامکان استفادہ فرمائیں گے۔

(اقتباس از ”تذکرہ وتبصرہ“ ماہنامہ میثاق، لاہور، مارچ 85ء)

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ سے انٹرویو کے دوران کیا گیا ایک سوال :

''مولانا صاحب ایک بات اور ہے کہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ دین کا کام کرنے اور درسِ قرآن دینے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو کسی دارالعلوم سے باقاعدہ ''سند یافتہ'' ہو اور کسی بزرگ ہستی کا ''فیض یافتہ'' ہو۔ ڈاکٹر صاحب پر عام طور پر یہی اعتراض وارد کیا جاتا ہے، جبکہ ایک شخص خود محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فہم دیتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس کو بھی ذہانت ملتی ہے وہ اللہ کی ودیعت کردہ ہوتی ہے انسان کی اپنی خود تو پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ اب اگر وہ اپنی ذہانت و فطانت کو اللہ کے دین کے لئے صرف کرتا ہے، محنت کرتا ہے، مطالعہ کرتا ہے، لوگوں کی خدمت میں جاتا ہے، غور و فکر اور افہام و تفہیم سے ایک رائے بناتا ہے اور اس کا اپنا اندرونی جذبہ ہے وہ اُسے اس بات پر ابھارتا ہے کہ میرا دین مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے اور پھر وہ دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اس پر یہ اشکال اور یہ اعتراض کہ وہ کسی دارالعلوم کا سند یافتہ اور فارغ التحصیل نہیں اور کسی سے اس نے فیض حاصل نہیں کیا یعنی اپنا تزکیہ کرایا اُسے درسِ قرآن دینے اور بیعت لینے کا حق نہیں ہے۔ تو آیا یہ کام کے لئے کیا یہ شرائط قرآن وسنت سے عائد ہوتی ہیں یا یہ لوگوں نے بطورِ احتیاط خود عائد کی ہوئی ہیں؟ آپ اس میں کیا رہنمائی فرمائیں گے......؟

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کا جواب:

''سوال یہ ہے کہ جب تک یہ مدارس قائم نہیں ہوئے تھے اس وقت تک جو حضرات درسِ قرآن کا کام کرتے تھے، درسِ حدیث کا کام کرتے تھے وہ کس طرح پر کرتے تھے؟ ان کو کون سی اتھارٹی حاصل تھی؟ بات یہ ہے کہ وہ (مدارس) تو ایک وسیلہ اور ایک ذریعہ ہے مقصود تو نہیں ہے۔ اور اگر آپ یہ قید لگا دیں گے کہ وہ کسی مدرسے کا فارغ ہوگا، کسی دارالعلوم کا سند یافتہ ہوگا، جہاں اس نے باقاعدہ استادوں سے تعلیم پائی ہوگی، صرف اسی کو حق حاصل ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک نہیں کئی ایک بڑے بڑے نامی گرامی جو علماء تھے، جنہوں نے بڑھ کر کام کئے وہ بھی سب نکل جائیں گے اور خارج ہو جائیں گے۔ وہ تو صرف یہ ہے کہ آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ جو کچھ بھی وہ لکھ رہا ہے، جو کچھ بھی وہ کہہ رہا ہے اس پر آپ اعتراض کیجئے لیکن یہ کہ خود وہ ذاتی طور پر کسی مدرسے سے فارغ التحصیل نہیں ہے تو یہ تو کوئی چیز نہیں ہے، یہ تو کوئی معیار نہیں ہے۔ بہت سارے خدا کے بندے ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے چند سبق پڑھے اور جا کر بیٹھ گئے۔ تو ایک نہیں کتنی ہی آپ کو مثالیں ملیں گی کہ انہوں نے کچھ کتابیں پڑھیں اور اس کے ذریعے مطالعہ کیا......

اور پھر جہاں تک کہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب نے تو صاف طور پر لکھا ہے کہ وہ برابر شروع سے اس میں لگے ہی رہے، برابر لگے رہے، پڑھتے رہے، لوگوں سے فیض حاصل کیا، ان سے پوچھا، غور کرتے رہے اور پھر جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی وہ عالمانہ تحریریں ہیں اور بتلاتی ہیں کہ ان کی استعدادِ علمی جو ہے وہ پختہ ہے اور اس کی روشنی میں وہ قرآن مجید کی جو تشریح کرتے ہیں اور جو تقریریں کرتے ہیں وہ میں سمجھتا ہوں کہ بعض اچھے اچھے علماء ہمارے اس طرح سے نہیں کر

سکتے ہیں۔لہٰذ یہ تو بہت ہی ناقص قسم کا اعتراض ہے۔یہ تو محض اعتراض برائے
اعتراض والا معاملہ ہے۔''

(19،مارچ 1985ء کو ریکارڈ کروائے گئے ایک انٹرویو سے اقتباس)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

23،اپریل 1985ء کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کراچی میں مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ سے ایک ملاقات کی جس میں مولاناؒ نے ڈاکٹر صاحب کے چند سوالات کے جوابات ریکارڈ کروائے۔

ایک سوال کے جواب میں مولاناؒ نے فرمایا:

''میری رائے یہ ہے کہ آپ (اپنے کام میں) اللہ کے فضل وکرم سے مخلص ہیں اور آپ نے اپنے اخلاص کا ثبوت دے بھی دیا ہے کہ کسی سے آپ کو کوئی عداوت نہیں ہے، کسی سے آپ کو کوئی رقابت نہیں ہے، آپ سب کا احترام کرتے ہیں، دین کے کام میں اہلِ علم وفضل کا تعاون چاہتے ہیں لیکن آپ نے جب (کتاب و سنت سے ماخوذ) ایک مرتبہ اپنے لئے ایک راستہ طے کر لیا ہے تو میرے خیال میں اب آپ بالکل اِدھر اُدھر مت دیکھئے کہ کون کیا کہتا ہے، کون اختلاف اور مخالفت کرتا ہے۔آپ کا راستہ صحیح ہے۔آپ اس پر (یکسوئی سے) چلئے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے آپ کے لئے باعثِ اجر بنائے۔''

(23،اپریل 1985ء کو ریکارڈ کروائے گئے ایک انٹرویو سے اقتباس)

ایک اور جگہ فرمایا:

''حضرتِ والا ڈاکٹر صاحب!'' بات اصل میں یہ ہی ہے اور اصل قصّہ یہی ہے کہ اگر آپ نے مولانا ہو کر دین کا کام کیا تو کیوں کیا؟ (اس لئے) کہ آپ کو تو روٹیاں اسی کی مل رہی ہیں۔لیکن جو انگریزی تعلیم یافتہ لوگ ہیں وہ اگر یہ کام کر رہے ہیں تو قدر و قیمت میں ان کی خدمات بہت آگے ہیں اور عملی طور پر یہی مفید ثابت ہوگی۔

اگر آپ جیسے تعلیم یافتہ حضرات کا دین کی خدمات کے لئے جو contribution ہے، وہ اگر نہ ہوتا تو آج کیا ہوتا؟ اندھیرا ہوتا!! ہمارے علی میاں (سید ابوالحسن علی ندوی) نے یہی بات کہی جو میرے دل میں بھی تھی کہ دین کی خدمت پر کسی کا کوئی اجارہ تو ہے ہی نہیں۔اللہ کبھی (اپنے دین کا) بادشاہوں سے کام لیتا ہے، کبھی مجاہدوں سے کام لیتا ہے، کبھی صوفیاء سے کام لیتا ہے، کبھی علماء سے کام لیتا ہے، کبھی آپ جیسے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں سے کام لیتا ہے۔بالکل جیسی ضرورت ہے اسی کے مطابق کام لیتا ہے۔آج سائنس وٹیکنالوجی نے جو مسائل پیدا کر دئے ہیں، جو سوالات اٹھا دئے ہیں ان کو بے چارے (عام) عالم لوگ کیا سمجھیں گے؟ (الّا ماشاءاللہ) یہ تو یہی (جدید تعلیم یافتہ) لوگ ہی سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ دین بھی جانتے ہیں اور جدید (باطل) نظریات سے بھی واقف ہیں اور اللہ نے ان کو اتنی دیانت داری اور بصیرت بھی دی ہے کہ وہ دین کی تعلیمات کی روشنی میں ان کا توڑ کر سکتے ہیں۔پھر خود دین پر عمل کرتے ہیں تو یہ ہے وقت
کی اہم ترین ضرورت!!۔''

(23،اپریل 1985ء کو ریکارڈ کروائے گئے ایک انٹرویو سے اقتباس)

مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی دعاء:

''ڈاکٹر صاحب کے لئے اور آپ لوگوں کے لئے میں کیا کہوں۔میں تو یقین رکھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کی مچھلیاں اور آسمان کے فرشتے دعا کرتے ہیں۔بہرحال میری دعائیں اور نیک تمنائیں آپ
حضرات کے ساتھ ہیں۔

(19،مارچ 1985ء کو ریکارڈ کروائے گئے ایک انٹرویو سے اقتباس)